مکی دور نبوت اور مسلم اقلیت کا فقہ السیرۃ کی روشنی میں سماجی مطالعہ

* نیاز احمد

** سیدہ ربیعہ احمد

Abstract

The life of Holy Prophet (peace be upon him) is described as role model in Holy Quran for all the Muslims and known as Uswa.e.Hasna. So, the importance of the life history of the Holy Prophet (peace be upon him) in every period before prophet hood and as a prophet cannot be denied in any walk of life. But the makki period of the Prophet's life has not enlightened in such a way as it has importance. Many aspects of makki period has been discussed in history and seerah writing but along with this a lot of aspects has been not given due importance in contemporary seerah writing. The basic sources of hadith o seerah provides lots of material on this aspect. In the makki period, Muslims were in minority and they had to face a lot of religious, social, economic and political issues in their lives. Now a days, in modern world majority of Muslims lives in western and non.muslim societies and have to spend their lives as minority in that socities.In a state of minority, they have to face a lot of religious, social and economical issues in their lives. These problems can be solved in the light of seerah especially from the teachings of makki period, it can provide a lot of religious solutions in contemporary societies in a better way.

This article will throw light on teachings of makki period and discuss the solutions of Muslim's problems as minority in the light of fiqh.ul.seerah.

Keywords: Muslims, Seerah, Makki period, Fiq.ul.seerah, Problems.

رسول اقدس ﷺ کی حیات طیبہ کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ عمل قرار دیا ہے اور کئی امامانِ سیرت وحدیث کے مطابق آپ ﷺ کی مکمل زندگی تعمیم کے ساتھ اسوہ حسنہ کا درجہ رکھتی ہے۔اس لیے سیرت نبوی ﷺ کے کسی دور کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے لیکن مکی دور نبوت کی مختلف جہات کا مطالعہ اس طرح سے نہیں کیا گیا جیسا کہ اس کی ضرورت ہے۔اگرچہ مؤرخین وسیرت نگاروں نے مکی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی ہے لیکن اس کے باوجود بہت سے گوشوں پر ابھی بھی دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔مثال کے طور پر آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کی اور یہ اعلان نبوت سے پہلے بھی ایک کامیاب شادی تھی

* لیکچرار اسلامیات گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج بورے والا، وہاڑی۔

** پی۔ایچ۔ڈی سکالر بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

اور بعد از بعثت بھی۔ آپ ﷺ نے قبل بعثت ایک کامیاب تاجر کی حیثیت سے زندگی گزاری اور بلاذری، ابن کثیر اور بعض دوسرے مؤرخین کے مطابق اعلان نبوت کے بعد ابوسفیان بن حرب اموی جیسے بڑے قریشی تاجر و صاحب مال کے ساتھ شراکت کی بنیاد پر تجارت کی۔ جنگوں اور معاہدوں میں اپنے قبیلے کے ساتھ شرکت کی۔ فلاحی و رفاہی کاموں میں بھرپور حصہ لیا اور سماجی و معاشرتی رسوم و رواج کے مطابق زندگی کے مختلف امور انجام دیے۔ ان تمام امور کا گہرائی سے مطالعہ کیا جانا ضروری ہے۔ اس لیے مکی دور نبوت کے سماجی مطالعہ کی مدد سے مسلم اقلیتوں کے معاشرتی اور معاشی امسائل کے حل سے عہدہ برآ ہونے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

ذرائع رسل و رسائل اور ابلاغ میں ترقی، قبائلی عصبیت میں تنزلی اور مختلف خطوں میں مقیم انسانوں کے باہمی میل جول سے دنیا تیزی سے Plural Society بن رہی ہے جس میں لسانی، مذہبی، سیاسی اور ثقافتی عصبیتوں کی کمزوری کے نتیجے میں اقلیت و اکثریت کے قدیم تصورات میں بہت بڑا تغیر دیکھنے میں نظر آرہا ہے۔ ماضی میں ابتدائی مکی زندگی کے علاوہ مسلمانوں کو وسیع علاقوں پر حکمرانی اور وسائل کی فراوانی کی وجہ سے غلبہ حاصل تھا اور وہ محکوم اقلیت نہ تھے۔ اپنے ملک میں وہ اقلیتوں کو احوال الشخصیہ کے عنوان سے بے انتہاء مذہبی آزادی دے دیتے تھے اور بطور ذمی ان کے حقوق کا خیال رکھتے تھے لیکن خود اقلیت بنتے نہیں تھے۔ اس لیے فقہی لٹریچر میں صرف ذمی اور حربی کے مباحث ملتے ہیں۔ لیکن عصر حاضر میں کئی غیر مسلم ممالک میں مسلمان نہ صرف عددی اعتبار سے کمزور ہیں بلکہ انہیں شخصی اور مذہبی معاملات میں بھی مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس سے مسلمانوں کے لیے ایک بالکل نئی صورتحال پیدا ہوئی ہے جس سے تاریخی طور پر وہ اپنی حریت پسندی کی وجہ سے ناآشنا تھے۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لیے بحیثیت اقلیت کیا لائحہ عمل ہونا چاہئے؟ ان غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کا طرزِ معاشرت کیسا ہو؟ حکومتوں اور غیر مسلم عوام کے ساتھ ان کا تعلق کس نوعیت کا ہو؟ فکری بنیادوں پر غیر مسلموں کے شبہات کا جواب کیسے احسن طریقے سے دیا جائے؟ مقامی و ملکی قوانین کے حوالے سے ایک مسلمان کے لیے کیا حدود و قیود ہونی چاہییں؟ مقامی ثقافت کو قبول کرنے کی کیا حدود ہو سکتی ہیں؟ وراثت اور نکاح و طلاق کے احکامات میں مرافعہ کی صورتحال کیا ہوگی؟ اسلامی شعائر کے تحفظ کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے؟ غیر مسلم رشتہ داروں سے کس طرح کا طرز عمل اختیار کیا جائے؟ تجارتی تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیے؟ تبلیغ دین کے لیے کونسے عملی طریقے اپنائے جائیں؟ اس کے علاوہ مقامی غیر مسلموں کے ساتھ تہواروں میں شریک ہونا، اپنے عائلی مسائل کے حل کے لیے غیر مسلم عدالتوں سے رجوع کرنا، حلال و حرام کے

مسائل، اولاد کی تربیت کے مسائل جیسے بہت سے جدید مسائل پیدا ہوئے جن کے حل کے لیے قرآن وسنت سے رہنمائی کی ضرورت ہے۔

مجموعی طور پر زندگی کے تمام مسائل کے حل کی تلاش کے لیے چونکہ ہمارے لیے اوّل و آخر نمونہ عمل نبی اقدس ﷺ کی ذات اطہر ہے اس لیے اس سلسلہ میں سیرت رسول اللہ ﷺ سے رہنمائی بہت ضروری ہے کیونکہ نبی اقدس ﷺ کی مکی زندگی کا سماجی مطالعہ مسلم اقلیتوں کے لیے ایک اہم ضابطہ عمل بن سکتا ہے۔ عصر حاضر میں ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان نبی اقدس ﷺ کی مکی زندگی کا اس نقطہ نظر سے نئے سرے سے مطالعہ کریں اور اس کی روشنی میں نہ صرف فقہ الاقلیات کے معیارات کو متعین کریں بلکہ اس امر کو بھی یقینی بنائیں کہ غلبے کے دور کے فقہی مسائل کو مسلم اقلیتوں پر مسلط کر کے ان کے لیے تنگی پیدا نہ کریں اور نہ ہی فقہ الاقلیات کے نام پر کفار سے اس قدر مشابہت اختیار کریں کہ ان کی اپنی شناخت ہی ختم ہو کر رہ جائے۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ مکہ میں گزارا۔ اور آپ ﷺ کی طرف سے اعلان نبوت کے بعد ابتدائی مسلمانوں کے لیے مکہ کی زندگی بہت سے مسائل سے دوچار تھی۔ معاشرتی طور پر تو مکہ کے مسلمان کسی نہ کسی طرح حالات کا مقابلہ کر رہے تھے لیکن مذہبی طور پر نو مسلموں کی زندگی کسی عذاب سے کم نہ تھی لیکن اس کے باوجود کفار مکہ اور مسلمان مختلف معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق قائم رکھے ہوئے تھے۔ قبل بعثت اور بعد از بعثت مکی دور نبوت میں آپ ﷺ اور مسلمانوں نے مذہبی، معاشرتی اور سیاسی طور پر کون سے مسائل کا سامنا کیا اور ان کے حل کے لیے آپ ﷺ کی سیرت سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟ قرآن مجید میں ان حالات میں کس قسم کے طرز عمل کے اپنانے کا حکم دیا گیا؟ مکہ میں مسلمانوں نے بحیثیت اقلیت، معاشی معاملات کی انجام دہی میں کیا طرز عمل اپنایا؟ سماجی معاملات اور تجارتی معاملات کس نہج پر انجام دیے گئے؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ دین حق، اسلام کا آغاز وارتقاء ہمیشہ غیر مسلم غلبہ والے علاقہ میں ہوا۔ اس کے ماننے والے مسلمان اپنے وطن مالوف میں بالعموم اقلیت میں ہی رہے ہیں۔ کثیر قومی اور مختلف المذاہب سماج میں ان کا ملّی تشخص اور دینی تفرد قائم ہوا۔ ہر سماج و تہذیب کے قومی دھارے کے خلاف یا اس کے متوازی ان کا ملی اور مذہبی نظام استوار ہوا۔ اسی بناء پر نئے نظام، نئے دین اور ان کے پیروؤں کی مخالفت لازمی عنصر تھا۔ پرانا نظام اور پرانا دین اصلاح و تہذیب کو برداشت کر سکا اور نہ ہی اس کے علمبردار اصلاح پسندوں کو۔ حق و باطل کی یہ ستیزہ کاری حضرت آدمؑ سے لے کر پیغمبر آخر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک جاری رہی۔ یہی اسلام کی تہذیبی، ملی اور دینی تاریخ ہے۔ ایسے ہی

معاشرے میں اسلام کے ماننے والوں نے ہمیشہ اپنی بقاء کے لیے کوششیں جاری رکھیں۔ آج بھی دنیا کے بہت سے غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کو ایسے ہی مسائل کا سامنا ہے جن کے لیے مکی اسوہ رسول ﷺ بہترین راہ عمل ہے۔

مکی دور نبوت آپ ﷺ کی زندگی کا ایک شاندار باب ہے لیکن اس پہلو کی طرف وہ توجہ نہیں دی گئی جو اس کا حق تھا۔ سیرت نگاروں نے مکی عہد کو اس انداز سے بیان نہیں کیا اور اس سے اعتنا نہیں کیا جس قدر اس کی ضرورت تھی۔ ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی نے "خطبات سرگودھا" میں سیرت نگاروں کی اس غفلت اور بے اعتنائی کا ذکر نہایت دردناک انداز میں کیا ہے۔ اور جس طرح سیرت نگاروں نے مکی اور مدنی واقعات کو گڈمڈ کیا ہے اس پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔[1] دین اسلام کی تعلیمات نہایت واضح اور آسان وسادہ ہیں جن پر ہر شخص کو اپنی استطاعت کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی رعایت اور سادگی کی بدولت ہر مسلمان اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو سکتا ہے۔ اور اسلام کی ان تعلیمات کے معلم اور بہترین عملی نمونہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہمارے سامنے موجود ہے۔ جب تک آپ ﷺ کی سیرت کو پڑھا نہ جائے اور اس کی صحیح تفہیم کے حصول کے لیے کوشش نہ کی جائے اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ اسی لیے اللہ تعالی نے مطلقاً رسول اکرم ﷺ کی زندگی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[2]

زیر نظر مقالہ میں مکی دور نبوت کو سامنے رکھتے ہوئے مذہبی، معاشرتی اور سیاسی پہلوؤں سے بحث کی جائے گی کہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں جو نمونہ عمل پیش کیا اس سے عصر حاضر میں مسلم اقلیتوں کے مسائل کے حل میں کس طرح رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے اور کس نہج پر مکی دور نبوت سے استفادہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ بحیثیت مسلمان ہمارے لیے جائے پناہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہی ہے جہاں سے ہم زندگی گزارنے کے اصول مستنبط کر سکتے ہیں۔ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم پر فرض ہے کہ ہم ہر معاملے میں رسول اکرم ﷺ کی مکمل پیروی کریں۔ حافظ ابن قیم بیان کرتے ہیں کہ "ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا قول پہنچ جانے کے بعد ہر دوسرے قول کو مسترد کر دے کیونکہ آپ ﷺ کے حکم کے بعد کسی کا حکم قابل قبول نہیں۔ نہ آپ ﷺ کے قول کے بعد کوئی قول قابل تسلیم ہے اور نہ آپ ﷺ کے مسلک کے علاوہ کوئی مسلک لائق اختیار ہے۔"[3] غیر رسول کی اطاعت و پیروی اسی صورت میں جائز ہے جب وہ رسول کے بتائے ہوئے احکام کو آگے پہنچائے اور اس کی حیثیت محض مبلغ کی ہو اور وہ انہی باتوں کی تلقین کرے جو رسول کے احکامات اور تعلیمات کے موافق ہوں۔

دور جدید میں مختلف انسانی معاشروں کو بہت سے سماجی، تہذیبی اور ثقافتی مسائل کا سامنا ہے جو معاشرتی نشوو ارتقاء اور حالات وزمانہ کی تبدیلی کا نتیجہ ہیں۔ کسی بھی تہذیب وثقافت کا بنیادی کردار یہ ہے کہ دنیوی اور دینی زندگی کے بارے میں ایسے افکار وعقائد کی حامل ہو جو فرد کی تربیت اور انفرادی مسائل کے ساتھ ساتھ اجتماعی نظام کی تشکیل اور اس میں پیدا ہونے والی مشکلات ومسائل کا احاطہ کر سکے اور ایسے اصول وکلیات پر مبنی ہو جو ہر زمانے کے تقاضوں کا ساتھ دے سکیں۔ کثیر المذاہب سماج میں رہائش پذیر افراد جب تہذیبی وثقافتی اور دینی مسائل کا سامنا کرتے ہیں تو ان کے رویے تین طرح کے ہوتے ہیں۔ 1۔ یا تو کلی طور پر اپنی تہذیب وثقافت اور دین کو خیر آباد کہہ دیتے ہیں۔ 2۔ جو اس قدر بڑا اقدم نہ اٹھا سکیں وہ غیروں سے متاثر ہو کر اور ان کے اعتراضات کا حصہ بن کر اندر ہی اندر کڑھنے لگتے ہیں اور احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ 3۔ وہ اس قدر پختہ اور وسیع الذہن ہوتے ہیں کہ اپنی تہذیب وثقافت اور مذہبی اقدار پر عامل رہنے کے ساتھ ساتھ دوسرے معاشرے کی اچھی اور مثبت اقدار کو بھی اپنا لیتے ہیں اور بری اقدار سے اپنے آپ کو محفوظ بھی کر لیتے ہیں۔

آپ ﷺ کو جس معاشرے میں مبعوث کیا گیا وہ تہذیب وثقافت کی حامل قوم تھی۔ آپ ﷺ نے اس تہذیب وثقافت کو کلی طور پر منہدم کیا اور نہ ہی مکمل طور پر اسے قبول کر لیا بلکہ جو چیزیں وحی اور فطرت انسانی کی روشنی میں اچھی تھیں ان کو قبول کر لیا اور اس کے برعکس چیزوں کو ترک کر دیا۔ آپ ﷺ نے جاہلی معاشرے کی رسوم ورواج کو مکمل طور پر ترک کرنے کی بجائے اسے اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی۔ آپ ﷺ کے اس طرز عمل کو شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

1۔ جو باتیں شریعت اسمٰعیلیہ کے موافق تھیں یا شعائر اللہ تھے ان کو باقی رکھا اور دین ابراہیم واسماعیل کو خالص شکل میں پیش کیا۔
2۔ جن باتوں میں آپ ﷺ کو تحریف یا فساد نظر آیا اور شعائر اللہ کے خلاف نظر آئیں ان کو باطل قرار دیا اور ان کی برائی شدت سے بیان کی۔
3۔ رسوم صالحہ اور فاسدہ کی توضیح فرمائی۔ رسوم صالحہ کی پابندی اور ترغیب دی اور رسوم فاسدہ کی برائی واضح کی۔
4۔ عادات کے ابواب میں آداب اور مکروہات کو واضح کیا۔
5۔ دین ابراہیمی کے جو احکام زمانہ فترت میں متروک ہو چکے تھے اور بھلا دیے گئے تھے ان کی تجدید کی۔[4]

چونکہ اسلام کی تہذیبی ترقی اوراس کے تمدن کے فروغ کی بنیاد آپ ﷺ کے قائم کیے ہوئے معیار اخلاق اور سیرت مبارکہ پر ہے لہذا اگر آج کسی بھی جگہ اسلامی امت کو تہذیب و تمدن اور دین کے مسائل کا سامنا ہے تو ان مسائل کے حل کے لیے ہمیں آپ ﷺ کی سیرت کو بطور اصول معاشرت کے اپنانا ہو گا۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے کے قدامت پسند خیالات اور رسوم ورواج کا مقابلہ کر کے ایک نئی فکر اور زندگی کی بنیاد ڈالی اسی طرح آج ہم بھی اسلام کی صحیح تعلیم اور تفہیم کو لے کر اپنے مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔

مکی دور نبوت میں آپ ﷺ نے مذہبی، معاشرتی اور سیاسی طور پر مسلم اقلیتوں کے لیے کونسی مثالیں قائم کیں اوران سے کس طرح استفادہ کیا جا سکتا ہے؟ ذیل میں ان پہلوؤں پر مختصر گفتگو پیش کی جارہی ہے۔

مذہبی زندگی:

آپ ﷺ شارع اور سب سے بڑے داعی اور مبلغ ہیں اور آپ ﷺ نے بذات خود تمام اسلامی تعلیمات پر عمل کیا اور امت مسلمہ کے لیے عملی نمونہ پیش کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کی زندگی میں کفار مکہ کی طرف سے بے شمار رکاوٹیں حائل کی گئیں لیکن آپ ﷺ نے تمام مشکلات کے باوجود اپنا کام جاری رکھا اور اسلامی تعلیمات پر عمل اوران کی تبلیغ واشاعت کا سلسلہ جاری رکھا۔ سیرت نگاروں نے آپ ﷺ کی دعوت کو مختلف مراتب اور مرحلوں میں تقسیم کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلا مرحلہ: خفیہ دعوت۔ یہ مرحلہ ابتدائی تین سال پر محیط ہے۔

دوسرا مرحلہ: اعلانیہ دعوت۔ صرف زبان سے۔ یہ مرحلہ ہجرت تک جاری رہا۔

تیسرا مرحلہ: اعلانیہ دعوت۔ سرکشوں اور جنگ کا آغاز کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے۔ یہ مرحلہ صلح حدیبیہ کے سال تک جاری رہا۔

چوتھا مرحلہ: اعلانیہ دعوت۔ مشرکین، ملحدین، بت پرستوں اوران تمام لوگوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے جنہوں نے راہ دعوت میں رکاوٹ کھڑی کی یا دعوت و تبلیغ کے باوجود اسلام قبول نہیں کیا۔ یہی وہ مرحلہ ہے جس پر اسلامی شریعت کا نظام قائم اور اسلام میں جہاد کا حکم مبنی ہے۔[5]

مکی دور نبوت میں آپ ﷺ نے پہلے دو مراحل میں دین اسلام کی دعوت عام کی اور لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ بحیثیت مسلم اقلیت دین اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے ان مراحل کے طریقہ کار کو بطور نمونہ عمل

سامنے رکھ سکتے ہیں۔ آج غیر مسلم ممالک میں بحیثیت اقلیت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ دین اسلام کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیں اور عصر حاضر کے حالات کے تناظر میں اسلام کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کے مکی دور نبوت میں دعوت دین کی مختلف حیثیتوں اور مراحل کو سامنے رکھا جاسکتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے يَأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۔ قُمْ فَأَنذِرْ ۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۔[6] "اے چادر لپیٹنے والے اٹھیے اور (لوگوں کو) ڈرائیے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے" تو آپ ﷺ نے ابتداء میں اپنے گھر والوں کو اللہ کا پیغام پہنچایا اور جو لوگ آپ ﷺ کے انتہائی قریب تھے ان کو دین اسلام کی دعوت دی۔ ایک بار جب آپ ﷺ اور حضرت علیؓ نماز ادا کر رہے تھے تو ابو طالب نے دیکھ لیا اور آپ ﷺ سے اس طریق عبادت کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور بت پرستی سے منع کیا ہے اور اپنی خاص عبادت فرض کی ہے جس کے ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ اے چچا جان آپ بھی خدا کے اس دین کو قبول کریں اور اس عظیم الشان کام میں میری مدد کریں۔[7] اس طرز عمل کو سامنے رکھتے ہوئے مسلم اقلیتیں اپنے آس پاس کے قریبی لوگوں کو اسلام کی دعوت دے سکتی ہیں جو ان کے نہایت قریب ہیں اور جن پر انہیں اعتماد ہے کہ وہ ان کی بات کو سنجیدگی سے لیں گے اور اس پر یقیناً غور و فکر کریں گے۔

مسلمانوں کی تاریخ ممالک کو فتح کرنے کے حوالے سے نہایت شاندار رہی ہے۔ مسلم اقوام نے مفتوحہ علاقوں میں اسلامی تہذیب و تمدن کے انمٹ نقوش بھی چھوڑے لیکن حریف اقوام میں دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں کوتاہی سے کام لیا۔ ابتدائی دور میں مفتوحہ علاقوں میں مسلمانوں نے نظریاتی اور عملی طور پر غیر مسلموں کو اپنی اعلیٰ اخلاقی اور معاشرتی اقدار سے بہت متاثر کیا جس کی بدولت غیر مسلم اقوام نے اسلام قبول کرنے میں زیادہ تامل کا اظہار نہیں کیا کیونکہ مسلمانوں نے اپنی قومیت کے پرچار اور نسلی و مذہبی تعصب سے بالاتر ہو کر دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی اور خالصاً انسانیت کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر یہ کام کیا گیا۔[8] لیکن بعد کے ادوار میں یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔ لیکن عیسائیت نے جب اسلام کو اپنے لیے ایک خطرہ تصور کیا اور اسے اپنا مقابل سمجھا تو اسلام دشمنی کا آغاز کر دیا حالانکہ اس سے پہلے عیسائی راہب آپ ﷺ کی آمد کی نوید سنا چکے تھے اور راہب آپ ﷺ کی نشانیوں کو ملاحظہ کر کے آپ ﷺ کی تصدیق بھی کر چکے تھے۔[9] لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے کیے گئے وعدہ کے مطابق

آپ ﷺ کی مدد کرنے کی بجائے عیسائیوں نے آپ ﷺ کی مخالفت کی۔ مسلم حکومتوں اور مبلغین نے بھی عیسائی ریاستوں کو فتح کرنے کے بعد وہاں اسلام کی شمع روشن کرنے میں وہ کوشش اور سرگرمی نہیں دکھائی جو مسلم اسلاف کا طرہ امتیاز تھا۔ لہذا عصر حاضر میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دین اسلام کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیں اور اس کے لیے رسول اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کو سامنے رکھیں۔

تبلیغ اسلام کے پہلے مرحلے میں آپ ﷺ نے ابتدائی تین سال تک خفیہ تبلیغ جاری رکھی اور صرف اپنے خاص احباب کو دین کی دعوت دی جو حکمت نبوی ﷺ کا ایک شاہکار ہے۔ غیر مسلم غلبہ والے طبقے میں اشاعت اسلام کا سب سے ابتدائی اور اہم طریقہ خفیہ تبلیغ ہی ہے۔ تبلیغ دین واشاعت اسلام کے دو بنیادی انداز و اسلوب مکی عہد میں اختیار کیے گئے۔ ایک خفیہ تبلیغ کا انداز، دوسرے اعلانیہ و ببانگ دہل اشاعت کا اسلوب۔ یہ دونوں وقتی اور عارضی اسلوب نہیں ہیں بلکہ مستقل اور ابدی ہیں۔ ان دونوں میں تعاقب و تتابع یا لازم و ملزوم کا اصول بھی ہمیشہ کے لیے کارفرما کر دیا گیا یعنی ایک انداز و اسلوب کے بعد ہی دوسرا اسلوب اختیار کیا جائے گا۔ پہلے خفیہ تبلیغ کا طریقہ فرض کر دیا گیا اور اس کی کامیابی کے بعد اعلانیہ تبلیغ کا اسلوب متعین فرمایا گیا ان دونوں اسالیب میں عظیم حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ غیر مسلم غلبہ والے سماج میں ہر مقام، ہر وقت اور ہر زمانے میں تبلیغ کا انداز خفیہ رکھنا لازمی ہے۔[10] اس لیے مسلم اقلیتوں کو چاہیے کہ وہ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لیے مکہ اسوہ نبوی ﷺ کو اختیار کریں۔

دوسرے مرحلے میں آپ نے اپنے اعزہ واقرباء کو اپنے گھر میں ایک دعوت طعام پر مدعو کیا اور کھانے سے تواضع کے بعد ان کو اسلام کی دعوت دی جس کا اکثر نے انکار کر دیا۔ اس طرز عمل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بحیثیت مسلمان غیر مسلم ممالک میں بطور اقلیت زندگی بسر کرنے والے لوگوں پر فرض ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کو دین کی دعوت دیں۔ اس حوالے سے ان کی طرف سے کسی قسم کی معذرت قبول نہیں کی جائے گی۔ اللہ کا حکم آنے کے بعد آپ ﷺ نے شدید قسم کی مخالفت کے باوجود مصلحت سے کام لیتے ہوئے دعوت دین کے کام میں کوئی تاخیر نہیں کی اور اپنے رشتہ داروں کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اللہ کے حکم کی تعمیل کی۔ لہذا اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ بحیثیت مسلمان کسی دنیاوی فائدے یا مصلحت کا شکار ہوئے بغیر دین اسلام کی دعوت کا فریضہ انجام دینا ہمارا فرض ہے۔

جب وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ۔[11] "اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو" کا حکم نازل ہوا تو آپ نے

عام لوگوں میں دین اسلام کا پیغام عام کرنے کا آغاز کیااوراس سلسلے میں صفاء پر اہل مکہ کو بلا کر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ کے خاندان کے لوگ آپ ﷺ سے اجنبیت برتنے لگے اورآپ ﷺ کی دشمنی اور مخالفت میں ایک دل ہوگئے۔ابو لہب نے آپ ﷺ سے متعلق نازیبا گفتگو کی جس پر آیت تَبَّتۡ يَدَآ أَبِي لَهَبٖ وَتَبَّ۔[12] نازل ہوئی۔[13] محمد سعید رمضان البوطی کے مطابق:

"ان رسول الله ﷺحين صدع بالدعوة الى الاسلام في قريش وعامة العرب، فاجأهم بمالم يكونوا يتوقعونه أويألفونه. تجد ذلك واضحافي ردّابي لهب عليه، ثم في اتفاق معظم المشركين من زعماء قريش على معاداته ومقاومته."[14]

"جب آپ ﷺ نے قریش اور عام عربوں کے سامنے اسلامی دعوت کا اعلان کیا تو ان کے سامنے ایک ایسی چیز پیش کی جس کی انہیں بالکل توقع نہ تھی اور جس سے وہ بالکل نامانوس تھے۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کو سن کر ابو لہب نے سخت سست کہا تھا اور شریران قریش اس کی دشمنی اور مخالفت پر کمربستہ ہوگئے تھے۔"

اس کے باوجود چند لوگ ایسے تھے جن کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی محبت جاگزیں کر دی تھی۔یہ لوگ اگرچہ تھوڑے تھے لیکن وہ آپ ﷺ کی مدد اور حمایت میں سینہ سپر ہوگئے جن میں ایک آپ ﷺ کے چچا ابو طالب بھی تھے۔[15] آپ ﷺ نے ان تمام پریشانیوں اور مخالفتوں کے باوجود اسلام کی تبلیغ کا کام جاری رکھا اور کسی دشمنی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اسلام کا پیغام بھرپور طریقے سے عام کرتے رہے۔آج غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیتیں اس اسوہ حسنہ اور مجادلہ احسن کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تبلیغ اسلام کا عظیم کام انجام دے سکتی ہیں۔اس سے آگے عالمی سطح پر اسلام کا پیغام عام کرنا اسلامی حکومتوں کی ذمہ داری ہے۔انفرادی طور پر مسلم اقلیتوں کے افراد کی ذمہ داری اسی حد تک ہے کہ وہ اپنے ہمسائیوں، رشتہ داروں اور عام لوگ جن سے انہیں بالعموم واسطہ پڑتا ہے، کو اسلام کی دعوت دینے میں کسی کوتاہی سے کام نہ لیں اور اپنے ایک مذہبی فریضہ کی انجام دہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔

مذکورہ بالا مراحل دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے حوالے سے اہم ہیں ۔آپ ﷺ نے مکی عہد میں اشاعت اسلام کے لیے تین طریقے اختیار فرمائے تھے۔ایک تو آپ ﷺ خود بنفس نفیس ہر فرد و بشر کو جا جا کر دین

کا پیغام پہنچاتے تھے۔دوسرا آپ ﷺ نے اپنے تمام صحابہ کو داعی ، مبلغ اور مشنری بنادیا تھا۔تیسرا طریقہ جو آپ ﷺ نے بیرونی علاقوں اور ملکی و بین الاقوامی دیار و ممالک میں اشاعت اسلام کے لیے اختیار فرمایا تھا وہ یہ تھا کہ عرب کے قرب وجوار اور دور دراز کے گوشوں سے مکہ آنے والوں میں سے اسلام قبول کرنے والوں کو کچھ مدت تک تعلیم وتربیت سے آراستہ فرما کر ان کو اپنے علاقوں اور قبیلوں میں دعوت و تبلیغ کے لیے بھیج دیتے تھے۔[16]

آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں تعلیم وتربیت کے لیے مختلف مراکز قائم فرمائے تھے جن میں دار ارقم سب سے پہلا اور بنیادی مرکز تھا۔اور اس کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ قدیم سیرت نگاروں اور مؤرخوں نے اس کا بھرپور تذکرہ کیا ہے۔جدید سیرت نگاروں نے بھی اس کی اہمیت وشہرت اس حد تک بیان کی کہ مکہ مکرمہ کے دوسرے مراکز نظروں سے اوجھل ہوگئے۔یہ خفیہ تبلیغ کے آغاز کے ساتھ ہی تعلیم وتربیت کا مرکز بن گیا تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ سابقین اولین نے دار ارقم میں ہی اسلام قبول کیا تھا۔آپ ﷺ نے ابتدائی تنظیم اسلامی کا کام یہیں کیا تھا۔آپ ﷺ سے حضرت ابوذر غفاریؓ نے یہیں پر ملاقات کی تھی اور آپ ﷺ نے آپ کو اپنی قوم میں واپس جانے اور اسلام کی تبلیغ کرنے کو کہا۔[17] اس کے علاوہ بھی کئی مراکز تعلیم وتربیت تھے جن میں خانہ کعبہ کا صحن مبارک، مسجد حرم کے دلان عظیم عمومی اوراجتماعی مراکز تھے۔صحابہ کرام کے گھر بنیادی مدرسے بھی تھے اور دینی مراکز بھی۔حضرت ابو بکر صدیقؓ گھر بھی ایک مرکز دعوت وتربیت بن گیا تھا۔آپ ﷺ وہاں تشریف لے جاتے تھے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مشورے فرماتے تھے۔اس کے علاوہ بھی کئی دوسرے مراکز تعلیم تھے جہاں نومسلموں کی تربیت کی جاتی تھی اور انہیں بنیادی عقائد ومسائل سکھائے جاتے تھے۔مسلم اقلیتوں کے لیے یہ مشعل راہ ہے کہ وہ اپنے معاشرے میں تعلیم وتربیت کا مناسب اہتمام کریں اور ایسے مراکز قائم کریں جہاں اسلام کی بنیادی تعلیمات واحکام کی تعلیم وتربیت کو ممکن بنایا جاسکے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں بھی رسول اقدس ﷺ کے اسوہ حسنہ کو سامنے رکھے اور جس طرح آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں مشکلات کے باوجود دینی فرائض کو انجام دیا اور کفار مکہ کی تمام ایذاء رسانیوں کو برداشت کیا اسی طرح اگر عبادات کی ادائیگی میں انہیں کوئی مشکلات درپیش ہوں تو وہ خندہ پیشانی سے انہیں برداشت کرے اور کسی بھی لمحہ اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔

البوطی کہتے ہیں کہ ان سب تکالیف کو دیکھ کر ایک سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ ﷺ اور اصحاب حق پر

تھے تو اتنی تکالیف کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان مصائب سے کیوں نہ بچایا جب کہ وہ اس کے دین کے علم بردار تھے، ان کے درمیان اللہ کا رسول موجود تھا۔ اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ:

"أن أول صفة للانسان فی الدنیا، أنه مکلف، أی أنه مطالب من قبل الله عزوجل بحمل مافیه کلفة ومشقة، وأمر الدعوة الی الاسلام والجهاد لاعلاء کلمته من اهم متعلقات التکلیف، والتکلیف من اهم مستلزمات العبودیة لله تعالی، اذلامعنی للعبودیة لله تعالی ان لم یکن ثمة تکلیف، عبودیة الانسان لله عزوجل ضرورة من ضروریات ألوهیة سبحانه وتعالی، فلامعنی للایمان بها ان لم ندرك عبودیتنا له۔"[18]

"دنیامیں انسان کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ مکلف ہے، یعنی اللہ عزوجل نے اس سے وہ بار اٹھانے کا مطالبہ کیا ہے جس میں مشقت اور پریشانی ہے۔ اسلام کی طرف دعوت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد اس کے اہم متعلقات میں سے ہیں۔ مکلف ہونا عبودیت الٰہی کے اہم لوازم میں سے ہے۔ اگر انسان کسی چیز کا مکلف نہ ہو تو عبودیت الٰہی کے کوئی معنی نہیں۔ اور اللہ کی عبودیت اس کی الوہیت کے تقاضوں میں سے ہے۔ اگر ہمیں اس کی عبودیت کا احساس نہ ہو تو اس کی الوہیت پر ایمان کے کوئی معنی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبودیت کا تقاضا ہے کہ انسان مکلف ہو اور مکلف ہونے کا تقاضا ہے کہ وہ مشقت برداشت کرے، نفس کا مجاہدہ کرے اور خواہشات پر قابو رکھے۔"

اس لیے غیر مسلم ممالک میں مقیم مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ عبودیت کے تقاضوں کے مطابق اسوہ رسول ﷺ کو اپناتے ہوئے مشقتوں اور تکالیف کی پرواہ کیے بغیر اپنے مذہبی فرائض ادا کریں اور اگر اس سلسلے میں کسی قسم کی تکالیف، پریشانیاں اور رکاوٹیں سامنے آئیں تو ان کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنے مقصد کی تکمیل میں سرگرم رہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۔[19]

"کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انھیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائیگا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انھیں آزمایا نہیں جائیگا۔ اور بیشک ہم نے آزمایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے پس اللہ تعالیٰ ضرور دیکھے گا انھیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے تھے اور ضرور دیکھے گا (ایمان کے) جھوٹے (دعویداروں) کو۔"

مکی دور نبوت مسلم اقلیتوں کے بہت سے عصری مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ مکی دور نبوت میں جب کمزور مسلمانوں کے لیے مکہ میں جینا دوبھر ہو گیا اور ان کے لیے تکالیف ناقابل برداشت ہو گئیں تو آپ ﷺ نے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا۔ ہجرت حبشہ کا یہ واقعہ بہت سے مسائل کو واضح کرتا ہے۔ واقعہ ہجرت حبشہ سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کسی ملک میں مسلمانوں کو ایسے مسائل کا سامنا ہے جن کا تدارک ممکن نہیں ہے تو ہجرت کا راستہ ان کے سامنے ہے۔ البوطی کے مطابق ہجرت حبشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدے کی حفاظت کے لیے وطن، زمین اور جائیداد کو قربان کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے برعکس جائز نہیں ہے۔[20] اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مشروط طور پر غیر مسلموں کی پناہ حاصل کی جا سکتی ہے۔[21] سفر طائف سے واپسی پر آپ ﷺ نے مطعم بن عدی سے پناہ حاصل کی تھی جس سے البوطی کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔[22]

آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ حبشہ میں عیسائی حکومت ہے اس کے باوجود آپ ﷺ نے مسلمانوں کو وہاں جانے کا حکم دیا۔ بعد کے واقعات، نجاشی کا تحائف بھیجنا اور وہاں مسلم پناہ گزینوں کا عیسائی معاشرے میں بھرپور مذہبی زندگی گزارنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اسوہ رسول ﷺ اور صحابہ کو سامنے رکھتے ہوئے غیر مسلم معاشرے میں قیام اور اس کی تہذیب و تمدن سے متاثر ہوئے بغیر زندگی گزاری جا سکتی ہے کیونکہ جتنی بھی روایات ملتی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ مکی مسلم اقلیت کے مہاجرین نے حبشہ میں اپنے دین کے تمام سماجی، اقتصادی اور دینی جہات پر پوری طرح عمل کیا تھا۔

مکی عہد میں رسول اکرم ﷺ نے غیر مسلم غلبہ والے سماج میں رہتے ہوئے اپنے دین و مذہب اور شریعت پر عمل کرنے، اس پر صلابت و عزیمت کے ساتھ قائم رہنے اور اس کے تمام اخلاقی، دینی اور قانونی احکام کی بجاآوری کرنے کی سنت نبوی ﷺ اور اسوہ حسنہ قائم فرمایا۔ یہ مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ بے ترتیبی، بیزاری یا مخالفت و عناد کے باوجود اپنے دین و مذہب پر عمل کریں جس طرح غیر مسلم غلبہ والے سماج کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اپنے دین و دھرم پر عمل کریں۔

معاشرتی زندگی:

اکثریتی سماج میں اسلام بطور اقلیتی دین غالب معاشرے سے اس کے تمام جائز سماجی، معاشرتی، سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی معاملات میں نہ صرف رواداری بلکہ مکمل تعاون کا قائل ہے۔ اس سے یہ بات زیادہ اہم ہے کہ دوطرفہ تعامل اور باہمی اشتراک پر یقین رکھتا اور اپنے پیروؤں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ مسلمانوں پر یہ فریضہ بھی عائد کرتا ہے کہ اکثریت کے ساتھ تمام میدانوں میں حسنِ معاملہ اور حسنِ سلوک کو اپنا دینی فریضہ سمجھیں۔ سیرت نبوی ﷺ کی روایات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی بعثت کے بعد اپنے غیر مسلم رشتہ داروں اور دوسرے ہم وطنوں سے بھی تمام سماجی تعلقات برقرار رکھے تھے اور ان کے ساتھ تمام قومی، ملکی اور تہذیبی امور میں اشتراک جاری رکھا تھا بلکہ مزید اخلاق کا مظاہرہ کیا تھا تاکہ غیر مسلموں پر یہ واضح ہو کہ اسلام حسنِ اخلاق کا دین ہے اور اپنوں اور بیگانوں سب کے لیے رحمت عام لاتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی کامیاب معاشرتی زندگی نہایت سبق آموز ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے معاشرتی اقدار میں بڑے شاندار اور غیر محسوس طریقے سے انقلابی تبدیلیاں پیدا کر دیں۔ آپ ﷺ نے جاہلی معاشرے میں رہتے ہوئے جاہلانہ طور طریقوں کو اس خوبصورتی اور نفاست سے اعلیٰ اقدار میں تبدیل کر دیا جس پر انسانیت بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔

مکی معاشرت رہی ہو یا جاہلی سماجی زندگی یا خالص اسلامی معاشرتی زندگی، باہمی زیارت اور میل ملاپ ایک عام اور مسلمہ سماجی روایت تھی۔ لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں ملنے جاتے تھے، خاص طور سے رشتہ داروں اور دوستوں سے ملاقات عام تھی۔ میل ملاپ، زیارت و ملاقات اور باہمی ارتباط اسلامی روایت بھی ہے اور اسے صلہ رحمی کا ایک اہم ترین سلسلہ سمجھا جاتا ہے۔[23] آپ ﷺ اور صحابہ نے مکہ میں غیر مسلموں کے ساتھ سماجی تعلقات قائم رکھے ہوئے تھے اور ان کے ہاں آنا جانا تبلیغی اور سماجی معاملات میں جاری تھا۔

آپ ﷺ نے دعوت و تبلیغ اسلام کے لیے اپنے قریبی اعزہ بنو عبد مناف کے لیے کھانے کی دعوت کا اہتمام کیا بلکہ دو مرتبہ دعوت کے لیے کھانا پکوایا۔[24] جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ دعوت کے کام کی اثر انگیزی کے لیے بالخصوص اور سماجی تعلقات کی استواری اور بہتری کے لیے بالعموم کھانے پینے کی دعوتیں غیر مسلموں کی اکثریت کے لیے کرنی چاہییں کیونکہ اس عمل سے بہت سے مثبت نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔

مکہ میں آپ ﷺ کے سامنے ایک بڑا مسئلہ یہ تھا کہ مکی صحابہ میں دین کی بناء پر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے معاشرتی بیگانگی کا جو شعور واحساس پیدا ہو گیا ہے اسے کس طرح ختم کیا جائے؟ کیونکہ مکی مسلم افراد اور چھوٹے بڑے گروہوں کو اس نئے سماجی انتشار اور معاشرتی خلا سے بچانا ضروری تھا اور یہ امت اسلامی کی وحدت کے قیام کا بھی تقاضا تھا۔ آپ ﷺ نے اس مشکل سماجی مسئلہ کا حل دینی مواخات کی صورتِ تعمیر و تنظیم میں تلاش کیا۔ آپ ﷺ نے ایک قریشی خاندان کے فرد کو دوسرے قریشی خاندان کے فرد کا دینی بھائی بنادیا۔ آپ ﷺ نے مکی مسلمانوں کی بہتری کے لیے ان کو آپس میں متحد رہنے اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے کی تلقین کی جو ایک سربراہ کی بنیادی ذمہ داری اور خوبی ہے۔ آپ ﷺ نے مکی مسلمانوں کے باہمی ارتباط اور تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے ان کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم کر دیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مکہ میں بھی مسلمانوں کی ہر ممکن مدد کرتے تھے اور انہیں کفار کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا تھا۔

مخالفین کی طرف سے صادق اور امین کے القاب کا عطا ہونا آپ ﷺ کے اعلیٰ وارفع اخلاق و معاشرتی اقدار کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ بعثت سے قبل تو آپ ﷺ کے تعلقات قریش اور دوسرے قبائل سے قائم تھے ہی لیکن بعثت کے بعد بھی آپ ﷺ نے ان کے ساتھ تعلقات قائم رکھے۔ مکہ مکرمہ اور ارد گرد کے قبائل اور خاندانوں سے آپ ﷺ کے سماجی رابطے تھے اور مختلف مواقع پر ان سماجی روابط کا لحاظ بھی کرتے تھے۔ بعثت کے بعد آپ ﷺ کے قریش اور دوسرے خاندانوں سے مذہبی اور شخصی تعلقات موجود تھے۔ ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں:

> "چالیس برس کی عمر مبارک میں رسول اکرم ﷺ کے تعلقات شخصی اور دینی بیک وقت تھے۔ اعزہ واقرباجن میں رضاعی رشتہ دار بھی شامل تھے اور خون کے قرابت دار بھی، تاجر و کاروباری، عام افراد و طبقات، شیوخ واکابر حتی کہ جان و دین کے دشمنوں سے آپ ﷺ کی ملاقاتیں اور دوسرے سماجی روابط شخصی ہونے کے ساتھ ساتھ دینی بھی تھے۔"[25]

آپ ﷺ اور کئی صحابہ کرامؓ مکے میں تجارت کرتے تھے اور کئی غیر مسلموں کے ساتھ شراکت کی بناء پر تجارت کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق جمحی، عمر بن خطاب عدوی، عثمان بن عفان اموی، عبدالرحمٰن بن عوف زہری، طلحہ بن عبید اللہ جمحی، زبیر بن عوام اسدی، ابوعبیدہ بن جراح فہری، سعد بن ابی وقاص زہری، سعید بن زید

عدوی،خالدبن سعیداموی،ابوحذیفہ بن عتبہ عبشمی، اسودبن نوفل اسدی، یزیدبن زمعہ، مطلب بن ازہرزہری،طلیب بن ازہراور مقدادبن عمرو کندی رضی اللہ عنہم کے علاوہ بھی کئی صحابہ کرامؓ تجارت کے پیشے سے وابستہ تھے۔حضرت عبداللہ بن سائبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں جاہلیت میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ شریک تجارت تھا۔جب ہم مدینہ منورہ آئے توآپ ﷺ نے مجھے کہاکہ کیاتم مجھے پہچانتے ہو؟میں نے کہاجی ہاں میں آپ کوپہچانتاہوں۔آپ تومیرے شریک تجارت تھےاورآپ کیاہی اچھے شریک تھے ۔آپ نے کبھی بے جاتکراراورتوتکارنہ کی۔[26]

روایات سیرت کے مطابق قبل بعثت تو آپ ﷺ نے بذات خود تجارت میں حصہ لیالیکن نبوت کے بعد آپ ﷺ ہمہ وقتی دین واسلام کی تبلیغ، شریعت وقرآن کی تعلیم اور صحابہ کرامؓ کی تربیت میں لگ گئے اور تجارت دوسرے تاجروں کے ذریعے کرنے لگے یعنی آپ ﷺ اپنامال صاحب مال کی حیثیت سے شراکت کی بنیادپردوسرے تاجروں کودے دیتے۔بلاذری، ابن کثیر اور بعض دوسرے مؤرخین کے مطابق آپ ﷺ نے بعد نبوت کی زندگی میں ابوسفیان بن حرب اموی جیسے بڑے قریشی تاجروصاحب مال کے ساتھ شراکت کی بنیادپرتجارت کی تھی۔[27]

بعثت کے بعدمکہ مکرمہ آنے والوں سے لوگوں سے آپ ﷺ کا مذہبی، شخصی، انفرادی اوراجتماعی تعلق قائم تھاجوتجارتی، مذہبی اور سماجی امورانجام دینے کے لے آتے تھے۔آپ ﷺ کی نبوت کاچرچاانہی مختلف لوگوں کے ذریعے بہت جلدمکہ مکرمہ سے باہر بھی ہوگیاتھااوراس میں ایک اہم کرداتجارتی قافلوں کاتھاجوراستوں میں عارضی قیام کے دوران اوراپنے علاقوں میں واپس جاکرآپ ﷺ کی نبوت کی باتیں لوگوں کوبتاتے تھے۔آپ ﷺ کے والدایسے ہی کسی تجارتی قافلے کے لوگوں کی باتیں سن کرمکہ مکرمہ میں آئے تھے اورآپ ﷺ سے مکالمے کے بعدایمان لے آئے تھے۔[28]اورآپ ﷺ کی والدہ حلیمہ سعدیہؓ بھی جب ایک بارآپ ﷺ کے پاس مکہ آئیں توآپ ﷺ فرط محبت سے کھڑے ہوگئے اورمیری ماں میری ماں کہہ کرلپٹ گئے۔[29]آپ ﷺ اپنی بعثت سے قبل اپنے بچپن کے تعلقات کابھی لحاظ کرتے تھے جس سے پتہ چلتاہے کہ غیر مسلموں سے تعلقات قائم کرنااوران کاپاس کرنابھی اسوہ رسول ﷺ ہے جوقابل پیروی اوراتباع ہے۔آپ ﷺ کی رضاعی بہن حضرت شیماؓ جنگ حنین میں قیدی ہوکرآئیں توجب انہوں نے سپاہیوں سے رسول اکرم ﷺ سے اپنی رضاعی رشتہ داری کاذکرکیاتوان کوآپ ﷺ کے سامنے پیش کیاگیا،انہوں نے رسول اکرم ﷺ کواپنے شانے پرد ندان نبوی کی مہرمحبت دکھائی

تو آپ ﷺ رو پڑے اوران کا اعزاز واکرام کیا۔[30] اس کے علاوہ غزوہ طائف کے بعد ان کے شیوخ نے آپ ﷺ کی رحمت و محبت کے واسطے سے اسیر ان جنگ کی رہائی کی درخواست کی اورابو صرو زہیر نے کہا کہ وہ سب آپ ﷺ کی مائیں، خالائیں اور پھوپھیاں ہیں جنہوں نے آپ کی پرورش کی ہے۔ آپ ﷺ نے اسی وقت خاندان بنو عبد المطلب کے حصے میں آنے والے قیدیوں کو آزاد کر دیااورآپ ﷺ کی پیروی میں چند لوگوں کے سوااکثر قبائل نے بھی بنو سعد وہوازن اور ثقیف کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔[31]

مذکورہ بالا تمام واقعات سے پتہ چلتاہے کہ آپ ﷺ قبل بعثت کے تعلقات کا پاس رکھتے تھے اوراس تعلق کی بناء پر بھی لوگوں سے اچھاسلوک کرتے تھے۔

آج مسلم اقلیتوں کا ایک بہت بڑامسئلہ غیر مسلموں کے ساتھ میل جول اوران کے ہاں قیام وطعام ہے۔اس کے علاوہ یہ سوال پیداہوتاہے کہ کیاکسی غیر مسلم کامہمان بناجاسکتاہے؟کیاکسی غیر مسلم کے گھر میں قیام کیاجاسکتاہے؟تواس کاجواب بھی ہمیں رسول اکرم ﷺ کے مکی دور نبوت سے بصراحت ملتاہے۔تقریباًتمام سیرت نگاروں کامتفقہ بیان ہے کہ آپ ﷺ نے شوال 10 نبوی میں طائف کاسفر کیا۔وہاں قیام کے دنوں کی تعداد میں اختلاف ہے لیکن کم از کم دس دن قیام پر توکسی کواختلاف نہیں ہے،اگرچہ کئی سیرت نگاروں نے لکھاہے کہ آپ ﷺ نے وہاں ایک ماہ قیام کیاتھا۔[32] توسوال پیداہوتاہے کہ آپ ﷺ نے وہ ایک ماہ کہاں قیام کیاتھا؟آپ ﷺ کس کے گھر میں ٹھہرے تھے؟سیرت نگاروں نے اس کی صراحت نہیں کی ہے۔ڈاکٹر یسین مظہر صدیقی کے مطابق وہاں آپ ﷺ کے قیام کی جگہ کے بارے میں تین ممکنات ہوسکتے ہیں۔

1۔ آپ ﷺ نے بنوعبد مناف کے دوخاندانوں بنوہاشم وبنوامیہ کے سسرالی عزیزوں میں سے کسی کے ہاں قیام کیاتھاکیونکہ وہ آپ ﷺ کے قریب ترین عزیزورشتے دار تھے اوران کہ بہوئیں یادامادآپ ﷺ کے حقیقی قرابت دار تھے۔

2۔ بنوجمح کی خاتون جوتین سادات ثقیف میں سے کسی ایک کے گھر میں تھیں،کے مہمان بنے تھے کیونکہ اس خاتون سے آپ ﷺ کی طرف سے شیوخ ثقیف کے برے سلوک پر مکالمہ اور شکوہ نقل کیاگیاہے۔اس سے اشارہ ملتاہے کہ آپ ﷺ ان کے مہمان بنے ہوں گے۔

3۔ رسول اکرم ﷺ چونکہ سادات ثقیف میں سے کسی کی حمایت ونصرت اور جوار کی طلب میں گئے تھے،

لہذا آپ ﷺ رئیس ثقیف عبد یالیل بن عمرو بن عمیر ثقفی کے مہمان بنے تھے۔[33]

بہر حال آپ ﷺ ان میں سے جس کے بھی مہمان بنے تھے وہ مسلمان نہیں تھے اور ابھی غیر مسلم ہی تھے اور آپ ﷺ نے ان کے گھر میں قیام کیا تھا۔ لہذا طائف میں آپ ﷺ کے قیام سے کئی مسائل مترشح ہوتے ہیں۔

1۔ کسی غیر مسلم کا مہمان بنا جا سکتا ہے۔

2۔ غیر مسلم کی میزبانی سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

3۔ غیر مسلموں کے ساتھ رہن سہن رکھا جا سکتا ہے۔

4۔ غیر مسلم کے ساتھ ضرورتاً تعلق قائم کیا جا سکتا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ معاشرتی طور پر غیر مسلموں کے ساتھ تعلق و واسطہ قائم کیا جا سکتا ہے اور اگر یہ تعلق اور رابطہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ہو اور اس کا حتمی مقصد مسلم امت کی بہتری ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مسلم اقلیتوں کے مسائل کے اسباب میں سے ایک سبب باہمی حمایت و محبت اور ربط کا فقدان ہے۔ مکی مسلم اقلیت پر نظر ڈالنے سے بہت سے کردار سامنے آتے ہیں۔ مسلم اقلیت میں مالی و معاشرتی طور پر مضبوط مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دوسرے مذہبی بھائیوں کی حمایت اور مدد میں کمربستہ رہیں۔ مثال کے طور پر حضرت نعیم بن عبداللہؓ کے کردار کو پیش کیا جا سکتا ہے جنہوں نے اسلام قبول کرنے اور اسے کچھ عرصہ تک خفیہ رکھنے کے بعد اسلام کا اعلان کیا اور ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار مکہ نے انہیں ہجرت نہ کرنے کی درخواست کی کیونکہ وہ مکہ کے لوگوں کی بہت زیادہ مدد کیا کرتے تھے اور خاص طور پر مکی مسلمانوں کے لیے بھی کسی رحمت سے کم نہ تھے۔ شاید اسی وجہ سے آپ ﷺ نے انہیں ہجرت نہ کرنے کی اجازت دے دی تھی کیونکہ ان کی ذات مکی مسلم اقلیت کے لیے بہت سے مسائل سے چھٹکارے کی ضمانت تھی۔[34]

اس لیے مسلم اقلیتوں کو چاہیے کہ وہ باہمی ربط کو یقینی بنائیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور محبت کا رویہ اپنائیں کیونکہ اسی میں مسلمانوں اور اسلام کی بہتری پوشیدہ ہے۔ آپس میں مضبوط تعلق قائم کرنے کے ساتھ ساتھ اسوہ رسول ﷺ کو سامنے رکھتے ہوئے غیر مسلموں کے ساتھ بھی تعمیری و مثبت تعلق قائم کریں اور سماجی، معاشرتی اور اخلاقی طور پر تمام امور میں شمولیت کو یقینی بنائیں تا کہ بہتر طریقے سے ان تک اسلام کا پیغام پہنچایا جا سکے۔

سیاسی زندگی:

آپ ﷺ نے مکی دور نبوت میں مکہ مکرمہ میں قبائل کے باہمی معاملات میں بخوبی حصہ لیا اور صحابہ کرامؓ نے بھی سیاسی معاملات میں بھرپور کردار ادا کیا۔ لوگوں کی فلاح اور بھلائی کے کاموں میں آپ ﷺ نے ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حلف الفضول میں شرکت اس کی ایک اہم مثال ہے۔ لیکن اس مقالہ میں بعد از بعثت مکی دور نبوت میں آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی طرف سے سیاسی معاملات میں شرکت اور کردار کو پیش نظر رکھا جائے گا کہ کس طرح آج مسلم اقلیتیں مکی اسوہ رسول ﷺ وصحابہؓ کو اپنے لیے مشعل راہ بنا سکتی ہیں۔

مسلمانوں نے مکہ مکرمہ میں سیاسی انتظام وانصرام میں اپنا کردار جاری رکھا اور اہل مکہ نے بھی اختلاف مذہب کے باوجود مسلمانوں سے وہ عہدے واپس نہیں لیے جو قبل از اسلام ان کے پاس تھے۔ مکہ مکرمہ کے سیاسی انتظام وانصرام سے متعلق کئی عہدوں کا ذکر کتب سیرت میں ملتا ہے جن میں سے کئی عہدے مسلمانوں کے پاس تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی وہ ان عہدوں پر کام کرتے رہے۔ سفارتکاری کا منصب حضرت عمر بن خطابؓ اور منافرہ ونسب کا عہدہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس ہی رہا۔ کسی بھی روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان حضرات کے مناصب محض اسلام لانے کے سبب قریشی انتظامیہ نے ان سے چھین لیے ہوں کیونکہ یہ عہدے ان لوگوں کو وراثت میں نہیں ملا کرتے تھے۔[35] اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ ان مسلمان منصب داروں نے ان عہدوں پر کام کرتے ہوئے قومی، قبائلی اور انتظامی تعاون جاری رکھا تھا اور یہ سیاسی، قومی اور معاشرتی تعاون باہمی کی شاندار مثال اور سند ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ غیر مسلم معاشرے میں مسلمان غیر مسلموں سے قومی اور انتظامی معاملات میں تعاون کر سکتے ہیں اور معاشرتی وسیاسی امور میں بھرپور کردار ادا کر سکتے ہیں۔ سعید حوی میثاق مدینہ کی ایک دفعہ "وان یہود بنی عوف أمة مع المؤمنین" کے تحت لکھتے ہیں کہ مسلمان اور غیر مسلمان ایک سیاسی وحدت بن سکتے ہیں اور کسی ایک ملک میں رہنے والے مختلف مذاہب کے پیروکار ایک امت کہلائے جا سکتے ہیں۔[36] ان کا یہ نظریہ موجودہ دور کے کئی سیاسی مسائل کے حل کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے اور بین المذاہب ہم آہنگی کی بنیاد بن سکتا ہے۔

شہر مکہ میں جتنے قبائل تھے اسی تعداد میں مجالس محلہ تھے جن کو "نادی" کہا جاتا تھا جیسا کہ مدینہ میں محلہ وار مجالس کو "سقیفہ" کا نام دیا گیا تھا۔ "نادی" اور "ندوا" کا مادہ "ندا" ہے۔ قرآن میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ۔ [37] "وہ بلالے اپنے حامیوں کی ٹولی کو"

ان نادیوں میں مختلف قسم کے فیصلے ہوتے تھے۔ آپ ﷺ نے زید بن حارثہؓ کو غلامی سے آزاد کر کے متبنیٰ بھی وہیں بنایا تھا۔[38] جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ قریش کے ساتھ سیاسی محفلوں میں شریک ہوتے تھے اور سیاسی معاملات میں حصہ لیتے تھے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ دنیا کے بہت سے غیر مسلم ممالک میں مسلمان اقلیتیں موجود ہیں اور وہاں مختلف قسم کے تہذیبی و تمدنی مسائل سے دوچار ہیں جن کا تعلق مسلم اقلیت کی انفرادی واجتماعی زندگی سے لے کر پورے معاشرے تک پھیلا ہوا ہے۔ اگرچہ مختلف غیر مسلم ممالک کی مختلف مسلم اقلیتوں کے مسائل مختلف ہیں لیکن کوئی بھی مسلم اقلیت چاہے جہاں بھی رہائش پذیر ہو اس کے لیے اسوہ حسنہ یعنی نبی کریم ﷺ کی زندگی اور تعلیمات ہی راہنما ہیں۔ آپ ﷺ کو مکہ میں خود ایک اقلیت کے مذہبی راہنما کی حیثیت سے رہنا پڑا کیونکہ اپنے وطن مکہ مکرمہ ہی میں اسلامی امت حکمران قریش سماج کے درمیان اقلیت بن کر رہ گئی تھی۔[39] اس لیے سیرت نبوی ﷺ میں مسلم اقلیتوں کے لیے اسوہ نبوی ﷺ موجود ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے قرآنی تعلیمات والٰہی ارشادات کے پس منظر میں تیرہ برسوں تک مکی مسلم اقلیت کی تعمیر وارتقاء کا ایک نقشہ تیار کیا۔[40]

عصر حاضر کے نامور سیرت نگار ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی نے اپنی کتاب "مکی اسوہ نبوی ﷺ، مسلم اقلیتوں کے مسائل کا حل" میں "معاصر مسلم اقلیتوں کے لیے لائحہ عمل" کے عنوان سے نہایت عمدہ لائحہ عمل مرتب کیا ہے جس کی روشنی میں مسلم اقلیتیں اپنے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کر سکتی ہیں۔ مجوزہ لائحہ عمل کو چند نکات کی صورت میں ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

1۔ مسلم اقلیت میں اجتماعیت اور شعور مدنیت کا فعال ہونا ناگزیر ہے۔

2۔ مسلم اقلیت کو انفرادی کردار کی بجائے اجتماعی تعمیر کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔

3۔ غیر مسلم ممالک میں دین اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے قابل قبول اور مؤثر لائحہ عمل مرتب کرنا چاہیے۔

4۔ مقامی مراکز تعلیم وتربیت اور مقامات اشاعت و تبلیغ کے قیام کو یقینی بنانا چاہیے۔

5۔ جن علاقوں میں مسلم اقلیتوں کے جان ومال اور دین کی حفاظت ممکن نہ ہو انہیں چاہیے کہ وہ دوسری مسلم اقلیت یا کسی دوسرے محفوظ علاقے میں منتقل ہو جائیں۔

6۔ مسلم اقلیت کو اپنے دستور ملکی، نظام حمایت اور انصرام تحفظ سے پوری طرح استفادہ کرنا چاہیے۔

7۔ مسلم اقلیتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو عصر حاضر کے چیلنجز سے نمٹنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں اور جدید عصری تعلیم سے آراستہ کریں۔

8۔ غیر مسلموں کے اسلام پر اعتراضات کے جواب دینے کے لیے مسلم اقلیتوں کو مختلف مقامی زبانوں میں مہارت حاصل کرنی چاہیے تاکہ ان کو تشفی بخش جواب دیے جا سکیں۔

9۔ مسلم اقلیتوں کی تعلیمی برتری، دینی فوقیت اور سماجی اجتماعیت کے ساتھ ساتھ اقتصادی اور معاشی استحکام بھی ضروری ہے بلکہ یہ ان کا دینی فریضہ ہے۔

10۔ مسلم اقلیتوں کے چاہیے کہ وہ اپنی اپنی اکثریتوں سے سماجی روابط بحال رکھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ روحانی ترقی کے لیے کوشش کرنی چاہیے اور دین سے مضبوط وابستگی اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کو قائم رکھنا چاہیے۔

11۔ مسلم اقلیتوں کے لیے اسوہ نبوی ﷺ یہی ہے کہ وہ اپنی تہذیبی وملی اور دینی شناخت کو بہر حال قائم رکھیں کیونکہ یہی ہے جہان ابلیسی میں ان کی شان جبرائیلی۔[41]

عصر حاضر کی مسلم اقلیتوں کے لیے مندرجہ بالا پیش کردہ لائحہ عمل بہت عمدہ اور قابل عمل ہے اور غیر مسلم ممالک میں پیش آنے والے مسائل کے حل میں بہت معاون وکارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ آج اسوہ حسنہ ہم سے اسی چیز کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم آپ ﷺ کی تعلیمات اور طرز عمل کی روشنی میں موجودہ حالات میں مقاصد شریعت کو مد نظر رکھتے ہوئے اور اسلامی اقدار کا تحفظ برقرار رکھتے ہوئے غیر مسلم معاشروں میں غیر مسلوں کے ساتھ تعلقات اور سماجی روابط بحال رکھیں اور عصر حاضر کے پیدا شدہ مذہبی، معاشرتی اور سیاسی مسائل کو اسوہ حسنہ کی روشنی میں حل کریں۔

حوالہ جات

[1]۔ صدیقی، ڈاکٹر یسین مظہر، خطبات سرگودھا، سیرت نبوی ﷺ کا مکی عہد، یونیورسٹی آف سرگودھا، 2016ء، ۲۶۔۳۱

[2]۔ الاحزاب، ۳۳: ۲۱

[3]۔ ابن قیم، محمد بن ابی بکر الجوزیہ، زاد المعاد، نفیس اکیڈمی کراچی، اگست 1962ء، ۱: ۳۳

[4]۔ شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، المحدث، حجۃ اللہ البالغہ (اردو)، مکتبہ رحمانیہ لاہور، س ن، :۲۱۵۔۲۲۰

[5]۔البوطی، محمد سعید رمضان، ڈاکٹر، فقہ السیرۃ النبویۃ(مترجم ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی)، نشریات لاہور، 2017ء:۱۲۹

[6]۔المدثر، ۷۴: ۱۔۳

[7]۔داناپوری، عبدالرؤف، اصح السیر فی ھدی خیر البشر، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، س ن، :۱۷

[8]۔البوطی، سعید رمضان، فقہ السیرۃ النبویۃ، :۱۳۸

[9]۔ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام بن ایوب، سیرت النبی ﷺ (مترجم قطب الدین احمد) اسلامی کتب خانہ لاہور، س ن، ۱: ۱۸۶

[10]۔ڈاکٹر یٰسین مظہر، مکی اسوہ نبوی ﷺ مسلم اقلیتوں کے مسائل کا حل، اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی، 2010ء:۵۲

[11]۔الشعراء، ۲۶: ۲۱۴

[12]۔المسد، ۱۱۱: ۱

[13]۔محمد غزالی السقا، فقہ السیرۃ (مترجم اظہر ندوی)، نشریات لاہور، 2010ء:۹۰

[14]۔البوطی، محمد سعید رمضان، الدکتور، فقہ السیرۃ النبویۃ(عربی)، دارالفکر المعاصر، بیروت لبنان، 1411ھ/1991ء:۱۱۲

[15]۔ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ، ۱: ۲۵۷

[16]۔ڈاکٹر یٰسین مظہر، مکی اسوہ نبوی ﷺ مسلم اقلیتوں کے مسائل کا حل، :۵۱

[17]۔ایضا: ۵۰

[18]۔البوطی، سعید رمضان، الدکتور، فقہ السیرۃ النبویۃ(عربی)، :۱۱۹

[19]۔العنکبوت، ۲۹: ۲۔۳

[20]۔البوطی، سعید رمضان، الدکتور، فقہ السیرۃ النبویۃ(عربی)، :۱۴۰

[21]۔ایضاً: ۱۴۲

[22]۔شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، مومنہ خالد سعید فاؤنڈیشن ملتان، س ن، ۱: ۱۵۵

[23]۔صدیقی، ڈاکٹر یٰسین مظہر، خطبات سرگودھا، سیرت نبوی ﷺ کا مکی عہد، :۱۳۸

[24]۔طبری، ابوجعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، نفیس اکیڈمی کراچی، 2004ء، ۲: ۱۷

[25]۔صدیقی، ڈاکٹر یٰسین مظہر، عہد نبوی میں قریش وثقیف تعلقات، وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی، 2015ء:۲۲۲

[26]۔محمد صوبانی، الدکتور، سیرت رسول ﷺ اردو، فہم دین ویلفیئر سوسائٹی وزیر آباد، 2017ء:۴۶

[27]۔صدیقی، ڈاکٹر یٰسین مظہر، خطبات سرگودھا، سیرت نبوی ﷺ کا عہد مکی، :۱۵۷

[28]۔شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، ۱: ۱۱۰

[29]۔ایضاً

[30]۔ابن اسحاق، محمد بن اسحاق بن یسار، سیرت النبی ﷺ (مترجم محمد اطہر نعیمی) مکتبہ نبویہ لاہور، 1431ھ:۶۹۷

[31]۔ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ، ۳: ۱۵۷(ایک جگہ پر زہیر کی کنیت ابوصرو ذکر کی گئی ہے جبکہ اس سے اگلے صفحہ پر ابوصرر مذکور ہے۔)

[32]۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرورِ دوعالم، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، 1978ء، ۲: ۶۳۳، نعیم صدیقی، محسن انسانیت، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، س ن، :۱۷۸

[33]۔ ڈاکٹر یٰسین مظہر، عہد نبوی میں قریش وثقیف تعلقات، وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی، 2015ء، :۲۳۴

[34]۔ ڈاکٹر یٰسین مظہر، مکی اسوہ نبوی ﷺ مسلم اقلیتوں کے مسائل کا حل، :۲۶۱

[35]۔ ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی کے مطابق یہ مناصب موروثی طور پر نہ ملتے تھے (مکی اسوہ نبوی ﷺ مسلم اقلیتوں کے مسائل کا حل، :۱۶۵) جبکہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق یہ عہدے موروثی تھے جو نسل در نسل چلتے تھے۔ (عہد نبوی میں نظام حکمرانی، مشتاق بک کارنر لاہور، 2016ء، :۳۰۔۵۴) آپ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد خانہ کعبہ کی چابی حضرت عثمانؓ بن طلحہ کو ہی عطا کی تھی کیونکہ وہ ہمیشہ سے ان کے خاندان کے پاس چلی آ رہی تھی، اس سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

[36]۔ سعید حوی، الاساس فی السنۃ وفقہھا، دار السلام للطباعۃ والنشر والتوزیع والترجمۃ، 1416ھ/1995ء، ۱: ۴۰۷

[37]۔ سورہ علق، ۹۶: ۱۷

[38]۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، مشتاق بک کارنر لاہور، 2016ء، :۳۴

[39]۔ ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی، مکی اسوہ نبوی ﷺ، مسلم اقلیتوں کے مسائل کا حل، :۸۷

[40]۔ ایضاً، :۲۷۹

[41]۔ ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی، مکی اسوہ نبوی ﷺ، مسلم اقلیتوں کے مسائل کا حل، :۲۷۹۔۳۱۲